میٹھی سویاں

سباس گُل

سباس گل

''اماں! سویاں کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔'' نوید عرف پپو نے آٹا گوندھتی زبیدہ سے کہا۔

''بیٹا! اپنے دل کو سمجھا لے گھر میں گھی اور چینی اتنی نہیں ہے کہ ہم فالتو کی عیاشی کر سکیں، عید آنے والی ہے عید پہ بنا دوں گی۔'' زبیدہ نے آٹا گوندھ کے ہاتھ دھوتے ہوئے اپنے چودہ سالہ بیٹے کو دیکھا۔

''عید پہ تو تم ادھر ادھر سے آئی، مانگے تانگے کی اور جھوٹی دوسروں کی بچی کچی سویاں سامنے رکھ دیتی ہو، مجھے تو بس اپنے گھر کی آپ کے ہاتھ کی بنی میٹھی سویاں کھانی ہیں اور وہ بھی ابھی کے ابھی ہاں۔'' پپو نے روٹھتے، ناراض لہجے میں فرمائش کی۔

''دیکھو پپو، مجھے تنگ نہ کر آج میں بہت تھک گئی ہوں، کام بہت زیادہ تھا کوٹھی میں، ان بڑے لوگوں کی دعوتوں میں بیس پچیس تو پکوان ہوتے ہیں، کھائیں گے کم، گرائیں گے زیادہ، اللہ سائیں بھی جسے دیتا ہے چھپڑ پھاڑ کے دیتا ہے۔'' زبیدہ نے کوٹھی سے لایا ہوا کھانا برتنوں میں نکالتے ہوئے کہا۔

''اور جسے نہیں دیتا، اسے ان بڑے لوگوں کو نوکر بنا دیتا ہے، ان کا جھوٹا کھانے والا، ان امیروں کا بچا کچا کھا کے پیٹ بھرنے پہ مجبور کر دیتا ہے، ان کے نصیب میں دوسروں کی ان امیروں کی اترن لکھ دیتا ہے اماں! کیا کبھی ہمارے گھر میں مزیدار پکوان نہیں پکیں گے، جب ہمیں مہینے کے آخری دنوں میں راشن ختم ہونے کی پریشانی نہیں ہو گی کیا ایسا بھی کوئی دن آئے گا اماں کے تو مجھے ہر روز صبح سویرے ناشتے میں اپنے ہاتھوں سے دودھ والی میٹھی سویاں پکا کر کھلائے، کتنا مزا آئے گا نا اماں، اگر ایسا ہو تو۔''

پپو خوابوں، خیالوں میں کھو سا گیا تھا بولتے بولتے اور زبیدہ اپنے اس حساس اور ذہین بیٹے کو حسرت اور محبت سے دیکھ رہی تھی۔

''ایسا ہو گا ضرور ہو گا تو دل برا نہ کر میں اپنے ہاتھوں سے تیرے لئے میٹھی سویاں بناؤں گی۔'' زبیدہ نے اسے امید دلائی۔

''کب بناؤ گی؟'' پپو نے قدرے بدتمیزی سے کہا۔

''کہا نہ بنا دوں گی۔''

''مر جاؤں گا، تب بناؤ گی۔''

''چپ کیا اول فول بکتا ہے۔''

''ہاں تو اور کیا؟ جب لوگ میرا پرسہ دینے آئیں گے ناں تجھے تو پھر ان کو وہ میٹھی سویاں کھلانا۔''

''چپ کر جا پپو، کچھ بھی بکے جا رہا ہے اللہ نہ کرے کے ایسا ہو، دونوں وقت ملتے ہوں تو منہ سے ایسی الٹی بات نہیں نکالتے قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، کچھ اچھا بول۔'' زبیدہ نے سہم کر دل پہ ہاتھ رکھ کے اسے سمجھایا۔

''اماں! جس گھڑی دعا قبول ہو جائے وہی گھڑی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔'' پپو نے اپنی عمر سے بڑی اور گہری بات کہی تھی۔

''تو...... تو اتنا سیانا ہے نا تو میرے لعل، اللہ سائیں اسے دعا مانگا کر کے وہ ہمارے دن پھیر لے۔'' زبیدہ نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

''ہم سے تو ہمارے سگے رشتے داروں نے منہ پھیر لئے، ہمارے دن کیا پھریں گے؟'' پپو بہت حساس ہو رہا تھا اور دکھی بھی۔

''نہ میرا بچہ، مایوسی کی باتیں نہیں کرتے اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے، میں نے کہا ہے نا میں میٹھی عید پہ تجھے میٹھی سویاں اپنے ہاتھوں سے

پکا کے کھلاؤں گی، تو بس چند دن انتظار کر لے۔"

زبیدہ اس کے سر پہ دست شفقت پھیرتی اس کے چہرے کو ممتا بھری نظروں سے دیکھتی اسے سمجھا رہی تھی اس کی آٹھ سالہ بیٹی گڑیا پاس آ بیٹھی۔

"اماں! بہت بھوک لگی ہے۔" گڑیا نے زبیدہ کو دیکھا۔

"بھوک لگی ہے میری گڈی کو لے یہ پلاؤ کھا مرغ پلاؤ ہے کباب بھی ہیں اور میٹھا بھی ہے، اس میں پستے بادام بھی ہیں لے کھا لے میری گڑیا رانی۔" زبیدہ نے پلاؤ اور کھیر پلیٹوں میں ڈال کر ان دونوں کے سامنے اسٹول پر رکھ دی۔

"اماں! سویاں پستے بادام اور الائچی ڈال کر بنانا۔" پپو نے کھیر کھاتے ہوئے منہ میں پستے بادام اور الائچی کا ذائقہ محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا میرے لعل، پستے بادام اور الائچی والی سویاں بناؤں گی میں تیرے لئے، ابھی تو تو یہ پلاؤ اور کباب کھا بہت مزیدار بنے ہیں۔" زبیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اماں! تم بھی کھاؤ نا۔" پپو نے کھیر کھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں کھاتی ہوں پہلے تیرے ابا کو کھانا کھلا دوں وہ بھی بھوکے ہیں۔"

"اماں! میں یہ بوٹی کھا لوں۔" گڑیا نے مرغی کا لیگ پیس ڈونگے میں دیکھ کر ماں سے پوچھا۔

"ہاں کھا لے آدھی بھائی کو بھی دینا۔"

"اچھا اماں!" گڑیا نے خوش ہو کر کہا اور فوراً ڈونگے میں موجود پلاؤ میں سے مرغے کی ٹانگ اٹھائی اور آدھی بوٹی خود کھا لی اور آدھی پپو کی طرف بڑھا دی، زبیدہ نے بہت دکھ اور حسرت سے اپنے بچوں کو دیکھا اور اپنے معذور شوہر مجید کے لئے کھانا لے کر اس کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

مجید اور زبیدہ کا تعلق لوئر مڈل کلاس سے تھا، مجید احمد ایک سرکاری محکمے میں معمولی کلرک تھا، تنخواہ اتنی تھی کے روز و شب کی گزر اوقات با آسانی نہیں ہو پاتی تھی، مہنگائی کے عفریت نے نچلے اور درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے زہر آلود پنجوں میں جکڑ رکھا تھا، مجید احمد شام کو اخبار بیچا کرتا تھا تاکہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکے اور اپنے بچوں کی ضروریات با آسانی پورا کر سکے، اس نے محنت سے کبھی جی نہیں چرایا تھا، جیسے بھی کر کے اپنی بیوی اور بچوں گڑیا اور پپو کی ضروریات پوری کی تھیں۔

بچوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں اور فرمائشیں پوری کر کے بیوی کو مطمئن دیکھ کر اسے دلی سکون اور مسرت حاصل ہوتی تھی، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کے مجید کے گھر کھانا نہ پکا ہو یا فاقے تک نوبت آ گئی ہو۔

جب تک مجید احمد تندرست رہا، مشین کی طرح کام کرتا رہا، زبیدہ کو مجید جیسے محنتی شوہر کے ہوتے ہوئے گھر کے اخراجات کی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی، مجید نے بہت محبت سے اسے رکھا ہوا تھا، بچوں کو وہ بے انتہا چاہتا تھا اور انہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کامیاب خوشحال اچھا انسان بنے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔

شومئی قسمت ایک دن دفتر سے گھر کی طرف آتے ہوئے مجید کی سائیکل سے ایک تیز رفتار ویگن ٹکرا گئی اور اس خطرناک حادثے نے مجید احمد کو موت کے منہ میں جانے سے تو بچا لیا مگر معذوری کا شکار کر کے ہمیشہ کے لئے چارپائی پر ڈال دیا تھا، مجید احمد کی ریڑھ کی ہڈی پر بہت زیادہ چوٹیں گیں تھیں اور حرام مغز بھی متاثر ہوا

تھا، جس کی وجہ سے اس کا نچلا دھڑ مفلوج ہو گیا تھا، گھر کا کماؤ مرد، گھر کا سربراہ اگر اپاہج ہو جائے تو زندگی کی گاڑی ایک جگہ پر رک جاتی ہے، جسے دھکا دیئے بغیر سہارا دیئے بنا آگے نہیں بڑھایا جا سکتا، ایک معذور سربراہ کے ساتھ ان تینوں کی زندگی بھر مفلوج ہو گئی تھی یہ بھی غنیمت تھا کے تین مرلے کا یہ گھر اپنا تھا سر چھپانے کا ٹھکانہ اپنا تھا جو تھوڑی بہت جمع پونجی تھی مجید کے علاج اور دوا پر خرچ ہو گئی تھی، مجید کو مستقل دوا، اچھی غذا اور آرام کی ضرورت تھی اور کمائی کا واحد ذریعہ وہ خود تھا اس گھر کا جو کے معذور ہو کر اپنے بیوی بچوں پر بوجھ بن گیا تھا، اپنے ہر کام کے لئے دوسروں کا محتاج ہو گیا تھا، مجید تو جیسے نومولود بچے جیسا ہو گیا تھا اسے کھلانا پلانا، رفع حاجت، نہلانا دھلانا، غرض کے کہ ہر کام ایک چارپائی پر محدود ہو کر اس کی بیوی کے ذمے آن پڑا تھا، وہ ہی اس کی مدد، خدمت اور تیمارداری کیا کرتی تھی، گھر میں جب پیسہ نام کی شے ختم ہو گئی تو فاقے شروع ہو گئے، زبیدہ سب کچھ سہہ سکتی تھی لیکن اپنے معصوم بچوں کو بھوکا نہیں دیکھ سکتی تھی، سو مرتی کیا نہ کرتی؟ زبیدہ لوگوں کے گھروں میں صفائی ستھرائی، برتن کپڑے دھونے کا کام کرنے لگی، مجید اپنی معذوری اور بے بسی پر کڑھنے اور آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

اب زبیدہ کی کمائی سے گھر کا گزارہ ہو رہا تھا، مجید کے ساتھ اچھا وقت گزارہ تھا جبھی اس کے برے وقت میں اس کی اچھی ساتھی، وفادار، خدمت گزار، بیوی بن گئی تھی اور جو ہوتا مجید بد مزاج، تنک چڑا، جابر، حاکم، شرابی، جواری، نشئی، سخت دل تو بھلا وہ اس کی اتنی خدمت کرتی؟

مجید نے ہر حال میں اسے خوش رکھا تھا اور وہ خوش تھی اپنے شوہر کے ساتھ مگر تقدیر نے اس کی خوشیوں کو اپاہج کر کے ایک چارپائی پہ ڈال دیا تھا، جو خوشیاں اسے ملی تھیں، تقدیر اب اس سے ان کا خراج وصول کر رہی تھی وہ بھی سود سمیت، تقدیر کسی کا لحاظ نہیں کرتی، قسمت کسی کو نہیں بخشتی، خوشیاں دیتی ہے تو دکھ اور غم بھی ساتھ ہی تیار رکھتی ہے، جینے کے لئے مکمل خوشی اور دائمی آسودگی بھی بھلا کسی کا مقدر بنی ہے، جو زبیدہ کا مقدر بنتی۔

شوہر کی معذوری، اپنی مفلسی، بچوں کی پیلی پڑتی رنگت اور ان کی دم توڑتی ننھی منی خواہشیں اس کا دل کاٹا کرتیں، مجید جس محکمے میں ملازم تھا انہوں نے مجید کا علاج کرایا مگر اس کے گھر شفٹ ہونے کے ایک ماہ بعد علاج کے مزید اخراجات اٹھانے سے معذرت کر لی کیونکہ محکمے والوں کو نظر آ رہا تھا کہ مجید اب ان کے کسی کام کا نہیں رہا، وہ تندرست ہو کر اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا لہٰذا اسے نوکری سے بھی برطرف کر دیا گیا، پپو چونکہ اس وقت صرف بارہ برس کا تھا لہٰذا اسے باپ کی جگہ ملازمت پر بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا، اگر وہ بائیس برس کا ہوتا بھی اے پاس ہوتا تو اس کو نوکری مل سکتی تھی، مگر یہ سرکاری مہربانی بھی ان کے مقدر میں نہ تھی، لہٰذا گھر کی گاڑی کو کھینچنے کے لئے زبیدہ کو لوگوں کے جھوٹے برتن، میلی اترن دھونا پڑ رہی تھی، اس پر بڑھتی ہوئی مہنگائی، جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی، دو وقت کی روٹی پوری کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اس کے لئے۔

مجید کی معذوری کے بعد کے گزرے دن ان دو برسوں میں زبیدہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی، اس کی کھلی کھلی گندمی رنگت جھلس کر رہ گئی تھی اس کی خوشیوں کی طرح، ہاتھوں کا نازک پن ماند پڑ گیا تھا، کومل سے ہاتھ اب کھردرے اور سخت ہو گئے تھے جیسے کسی بوڑھے مزدور کے ہاتھ ہوں، وہ

بچوں کی طرف دیکھتی تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا، کیسے کملا کے رہ گئے تھے اس کے دونوں بچے، محکمہ بہبود آبادی والے ایسے ہی کروڑوں روپے اشتہار بازی پر خرچ کرتے ہیں محض یہ سمجھانے کے لئے کے بچے دو ہی اچھے ہیں، وہ کیا جانیں کے غریب آدمی کو تو اپنے دو بچے بھی دس کے برابر لگتے ہیں جب بچوں کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہو سکتی ہوں، جب پہننے اوڑھنے کو ڈھنگ کا کپڑا نہ ہو، پیٹ بھرنے کو ٹھیک سے دو وقت کھانا نہ ملے، تو بچے دو ہی اچھے کیسے پلیں بڑھیں گے؟ یہاں تو پیٹ کا دوزخ بھرنے کی فکر میں ہی صبح سے رات ہو جاتی ہے، اچھی تعلیم اچھا اسکول تو بہت دور کی باتیں تھیں۔

جب تک مجید احمد تندرست تھا کام پہ جا رہا تھا، گڑیا اور پپو بھی سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کے سرکاری اسکول کی فیس کم تھی، بچوں کے اسکول کے کپڑوں، جوتوں اور کتابوں کاپیوں کا خرچہ بھی جیسے تیسے پورا ہو جاتا تھا، مگر مجید احمد کی معذوری نے سب کچھ درہم برہم کر دیا تھا، قریبی عزیز رشتے دار بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے کہ کہیں وہ ان سے پیسے نہ مانگ لیں، ایک آدھ سے بہت مجبوری میں زبیدہ نے کچھ رقم ادھار مانگی بھی تو اس نے صاف انکار کر دیا اور اس دن کے بعد اخلاقاً بھی زبیدہ اور مجید احمد کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا، ایسے میں گڑیا اور پپو پہلے کی طرح اسکول جانے سے بھی معذور ہو گئے تھے، اسکول کی کئی کئی ماہ کی فیس کی عدم ادائیگی کی وجہ سے دونوں کا نام اسکول سے خارج کر دینے کا نوٹس مل چکا تھا، فیس معافی کی درخواست دے کر سفارش کرا کے منتیں کر کے زبیدہ نے پرنسپل کو راضی کیا تھا کہ وہ اس کے بچوں کو اسکول میں رہنے دیں، دونوں بچے ان حالات و واقعات سے ذہنی طور پر منتشر اور قلبی طور پر صدمے سے دوچار ہو کر پڑھائی سے بددل ہو گئے تھے، اس پر اب انہیں پرانے گھسے ہوئے جوتے، بدرنگ پیوند زدہ یونیفارم پہن کر اور مانگے کی پھٹی پرانی کتابیں اور بستہ لے کر اسکول جاتے ہوئے شرم اور جھجک محسوس ہوتی تھی اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے، انہیں اس حال میں اسکول بھیجتے ہوئے زبیدہ کا دل بھی دکھ سے بھر جاتا اور وہ نم آنکھوں سے کونے میں بچھی چارپائی پر پڑے معذور و مفلوج وجود کو دیکھتی اپنے مجازی خدا کے اپاہج وجود کو غمزدہ چہرے کو دیکھتی جو اس سے کہیں زیادہ دکھ اور بے بسی کی تصویر بنا اسے دیکھنے لگتا، آنسو اس کی آنکھوں کے کناروں سے بہنے لگتے، جنہیں چھپانے کے لئے وہ منہ دوسری جانب پھیر لیتا۔

زندگی نے خوشیوں نے خوشحالی نے تو منہ پھیر ہی لیا تھا ان سے، اس کے گھر سے، بے چارگی سی بے چارگی تھی، وہ چاہ کر بھی اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ نہیں کر پاتا تھا۔

☆☆☆

پپو کو میٹھی سویاں بہت پسند تھیں، پہلے تو زبیدہ ہر چھٹی کے دن صبح ناشتے میں میٹھی سویاں پکایا کرتی تھی اور سب بہت شوق سے کھاتے تھے، پپو کی تو عید ہو جاتی تھی جس دن زبیدہ سویاں پکاتی وہ بہت خوشی خوشی ناشتہ کرتا، مگر اب دو سال سے گھر میں دال روٹی، دال سبزی کے سوا کچھ نہیں پکا تھا، زبیدہ جن کوٹھیوں میں کام کرتی تھی ایک وقت کا کھانا اسے وہاں سے مل جاتا تھا اور عید الفطر کو بھی انہیں گھروں سے اسے میٹھی سویاں مل جاتی تھیں اور محلے کے کسی ایک آدھ گھر سے سویاں آ جاتیں خدا ترسی کے طور پر تو، زبیدہ وہی میٹھی سویاں گڑیا، پپو اور مجید کے سامنے دھر

دیتی، پپو کو ان خیراتی اور بھیک کی صورت میں دی گئی سویاں زہر لگا کرتیں، وہ ماں کے سامنے بمشکل سویاں حلق سے نیچے اتارتا، یا ماں سے نظر بچا کر کوڑے دان میں پھینک دیتا، یا گڑیا کی پلیٹ میں ڈال کر خاموشی سے اٹھ جاتا۔

اور زبیدہ اس کی ماں تھی اور ماں کی نظر شکرے اور باز کی سی تیز ہوا کرتی ہے اولاد کے چہرے پر لکھی اس کی پریشانی اس کی سوچ تک بھانپ لیتی ہے، اس کی پوشیدہ حرکتوں کو بھی دیکھ لیتی ہے، زبیدہ بھی دیکھ لیتی کے اس کا بیٹا غیروں کی دی گئی سوغات، خیرات نہیں کھاتا، خالی پیٹ، بھوکا ہی سونے چلا جاتا ہے۔

”تو نے سویاں کیوں نہیں کھائیں؟“ زبیدہ اس کے سر پہ جا پہنچی۔

”کھا لوں گا اماں، جب تو اپنے گھر میں اپنے ہاتھوں سے پکائے گی۔“ پپو سنجیدگی سے کہتا تو وہ سمجھانے لگتی۔

”دیکھ پپو، جو بھی ملے اس پر صبر شکر کرنا چاہیے۔“

”ہاں تو صبر کر تو رہا ہوں اماں۔“ پپو کا جواب بہت گہرا ہوتا۔

”اب بھوکا سوئے گا کیا؟“

”بھیک میں ملے من و سلویٰ کھانے سے بہتر ہے کہ میں بھوکا ہی سو جاؤں۔“ پپو کی باتیں اس کی عمر سے بڑی ہوتیں جنہیں سن کر زبیدہ بعض دفعہ تو حیران رہ جاتی اور بعض دفعہ اسے پپو پر غصہ آنے لگتا۔

”بات سن پپو، یہ جو خودداری، انا غیرت اور عزت نفس ہے نا اس سے کتابوں کا پیٹ تو بھرا جا سکتا ہے لیکن انسانوں کا نہیں، انسان کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے روزی روٹی کی ضرورت ہوتی ہے اب وہ خدمت اور مزدوری کے عوض ملے یا، مفت میں رحم اور بھیک میں ملے پیٹ کو بھرنے کے لئے روٹی چاہیے کھانا چاہیے، تو بھی اللہ کا نام لے کر کھا لیا کر، وہ سب دیکھتا ہے اس نے ہمارا رزق اب اسی طرح لکھا ہے۔“

”تو غلط لکھا ہے نا اماں۔“ وہ اللہ سے بھی خفگی کا اظہار کرتا۔

”چپ کفر بکنے سے، شکر کی عادت نہیں رہتی اور جب شکر کی عادت ختم ہو جائے تو گھر سے روزی سے زندگی سے برکت ختم ہو جاتی ہے، آہستہ آہستہ ہر نعمت ختم ہو جاتی ہے۔“ زبیدہ اسے ڈپٹتی۔

”تو اماں! کیا ہم ناشکرے ہیں؟“ پپو اگلا سوال اٹھاتا۔

”اور وہ جو بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہتے ہیں، کاروں میں گھومتے پھرتے ہیں، جن کے گھروں میں ایک ایک وقت کے کھانے پر بڑی سی میز مختلف اقسام کے پکوان سے سجی بھری ہوتی ہے وہ لوگ سب اللہ کے شکر گزار بندے ہیں، کیا وہ سب انہیں ان کی شکر گزاری کے سبب ملا ہے؟ نہیں اماں، ایسا نہیں ہے یہ سب تو اللہ کی اپنی مرضی سے ہوا ہے، وہ مالک ہے نا اس لئے اس کی مرضی ہے کہ وہ جسے چاہے بڑے گھر اور ڈھیر ساری دولت دے اور جسے چاہے دو وقت کی روٹی کے لئے صبح سے رات تک مزدوری کے کارخانے میں لگائے رکھے، سب اس کی مرضی ہے اماں، وہ چاہے نا تو ایک سیکنڈ میں ہمارے حالات اور ابا کی حالت ٹھیک کر سکتا ہے، مگر وہ چاہے تب نا۔“

”اللہ جانے کیسی باتیں کرتا ہے میری تو سمجھ سے باہر ہیں تیری باتیں، اپنی عمر سے بڑی باتیں نہ سوچا کر ورنہ جلدی بڈھا ہو جائے گا۔“ زبیدہ جز بز ہو کر کہتی۔

"یہاں کل کی خبر نہیں ہے اور تو بڑھاپے کا ذکر کر رہی ہے حالات دیکھے ہیں ناں شہر کے۔" پپو مجروح سے انداز میں ہنستا۔

"ہاں ہاں دیکھے ہیں، جیسے حالات اس گھر کے ہیں ویسے ہی حالات اس شہر کے ہیں، امن سکون نہ ادھر ہے نہ ادھر۔" زبیدہ کا لہجہ حالات کی ستم ظریفی کے احساس سے تھکن سے چور ہو جاتا اور وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔

☆☆☆

"کچھ بھی ہو اس عید پر میں اپنے پپو کی من پسند سویاں ضرور بناؤں گی، سادہ بھی اور دودھ والی بھی پستے بادام ڈال کے بناؤں گی، میرے بچوں کو تو عیدیں بھی روکھی پھیکی ہو گئیں ہیں، مگر اب کی میٹھی عید، میٹھی بناؤں گی میں اپنے بچوں کے لئے ڈھیر ساری میٹھی سویاں بنا کے ہاں۔"

زبیدہ کوٹھی میں کام کرتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہی تھی، رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا اسے دو تین گھروں سے زکوٰۃ، فطرانے کے پیسے مل گئے تھے اور ایک مالکن نے اس کے بچوں کے لئے کپڑے دیئے تھے، وہ ان سب کو دعائیں دیتی گھر لوٹی تھی، اس بار بچوں کی عید کی خوشیاں وہ ان کے چہروں سے چھلکتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی، کپڑوں اور سویوں کا بندوبست و ہو گیا تھا، نئے جوتے خریدنے کے لئے پیسے جوڑے تھے مگر جب جوتے خریدنے دکان پر پہنچی تو زبیدہ کو گڑیا اور پپو کے اسکول کے پھٹے پرانے اور گھسے ہوئے جوتے آ گئے، بس پھر اس نے بچوں کے اسکول کے جوتے خرید لئے یہ سوچ کر کہ عید کے دن بھی پہن لیں گے اور بعد میں اسکول آنے جانے میں کام آ جائیں گے، گڑیا اور پپو تو نئے جوتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"اماں! ابا کے لئے جوتے نہیں لائیں۔" گڑیا نے معصومیت سے استفسار کیا۔

"نہیں میری گڑیا رانی، تیرے ابا کو تو اب جوتے پہننے کی ضرورت ہی نہیں رہی، اس کی زمین تو سمٹ کے ایک چارپائی تک محدود ہو گئی ہے۔" زبیدہ نے آزردگی سے مجید احمد کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا۔

"اماں! اس بار میٹھی سویاں بھی بناؤ گی نا عید کے دن؟" پپو نے ایکدم سے پرجوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں پکاؤں گی سویاں بھی پکاؤں گی اور تم دونوں کو عیدی بھی دوں گی۔" زبیدہ نے ان دونوں کو خوش دیکھ کر پرعزم لہجے میں کہا۔

"مجھے تو بس عیدی میں تم "میٹھی سویاں" ہی دے دینا۔"

"مجھے بھی۔" گڑیا بھی پپو کی بات سن کر خوشی سے بولی۔

"ہائے میرے بچے میری آنکھوں کے تارے، یا اللہ سائیں مجھے میرے معصوم بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشیں پوری کرنے کے قابل بنا دے۔" زبیدہ نے دونوں بچوں کو دائیں بائیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیتے ہوئے دل سے دعا مانگی۔

☆☆☆

"بیگم صاحبہ! تھوڑے سے پستے بادام ملیں گے کیا؟" زبیدہ نے کام ختم کرنے کے بعد کوٹھی والی مالکن سے جھجکتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہاں بازار میں ملیں گے خرید لو جا کے۔" بے نیازی سے جواب آیا۔

"بازار سے خریدنے کی حیثیت ہوتی تو آپ سے کیوں مانگتی جی؟"

"جب تمہیں اپنی حیثیت کا پتا ہے تو پھر حیثیت سے بڑھ کر خواہشیں کیوں پالتی ہو؟

حیثیت کے مطابق مانگ رکھنی چاہیے نا۔" بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جانتی ہوں جی، مگر حیثیت بدلتے دیر تو نہیں لگتی نا جی، کل تک میں اپنے گھر کو سجاتی سنوارتی تھی مگر آج آپ جیسے بڑے لوگوں کے گھروں کو سجاتی سنوارتی ہوں صاف ستھرا کرتی ہوں، جو سودا سلف میرا شوہر لایا کرتا تھا وہ اب مجھے محنت کر کے خریدنا پڑتی ہیں، اصل میں بیگم صاحبہ! میرے بیٹے کو میٹھی سویاں بہت پسند ہیں میرے ہاتھ کی پکی سویوں پہ تو وہ جان دیتا ہے، سوچا اس عید پہ اپنے بچے کو اس کی من پسند عیدی دوں گی سویوں کی صورت میں تو وہ کتنا خوش ہو جائے گا نا بیگم صاحبہ۔" زبیدہ نے سنجیدہ دلگیر، اور جھجکتے لہجے میں اپنی مجبوری بے بسی اور مفلسی کا اپنی ننھی سی خواہش کا ذکر کیا تو بیگم صاحبہ کا دل پسیج گیا اور اسے پستے بادام دینے کے لئے تیار ہو گئیں مگر یہ کہنے سے نہ رکیں کہ۔

"سویاں تو بنا پستے بادام الائچی کے بھی پک سکتی ہیں مگر تم لوگوں کو بھی پوری عیاشی کرنی ہے، بچوں کی خواہشیں اپنی آمدنی کے اندر پورا کرنے کی کوشش کرو ورنہ بچے سر چڑھ جائیں گے پستے بادام کھا کر۔"

"نہیں بیگم صاحبہ! میرے بچے ایسے نہیں ہیں لیکن عید کی خوشیوں پر میرے بچوں کا بھی تو حق ہے نا، ان کی چھوٹی سی فرمائش پوری ہو گی تو انہیں بہت بڑی خوشی مل جائے گی جی۔" زبیدہ نے پرنم آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا

"اچھا یہ لو پستے بادام، عید کے دن آ جانا شیر خرمہ چاہیے ہو تو۔" بیگم صاحبہ مٹھی بھر بادام اور چند پستے کے دانے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں میں ڈال دیئے، زبیدہ کے لئے یہ بھی بہت تھے، احساس کم مائیگی سے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

"شکریہ بیگم صاحبہ!" وہ اپنی میلی چادر سے اپنے آنسو پونچھتی وہاں سے چلی آئی۔

عید کے دن کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا تھا، زبیدہ تو فجر کے وقت سے جاگی ہوئی تھی اور مجید احمد کے کاموں سے فارغ ہو کر اسے نہلا کر تیار کر کے گھر کی صفائی کر کے خود بھی نہا کر صاف ستھرے کپڑے پہن لئے تھے، پھر گڑیا اور پپو کو جگایا، وہ دونوں بھی نہا کر تیار ہو گئے، زبیدہ نے انہیں کھجور کھلائی، چائے پینے کے لئے دی تو پپو کہنے لگا۔

"اماں میٹھی سویاں۔"

"میٹھی سویاں بھی تقریباً تیار ہیں بس تو جلدی سے عید کی نماز پڑھ کے آ جا پھر جی بھر کے سویاں کھانا میں نے پستے بادام اور الائچی ڈال کر پکائی ہیں سویاں۔" زبیدہ نے پپو کے سر پہ دست شفقت پھیرا اس کا روشن ماتھا چوما وہ سفید کاٹن کے کرتا شلوار میں بہت جچ رہا تھا، زبیدہ نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔

"سچ اماں!" پپو کے منہ میں پانی آ گیا پستہ بادام اور الائچی والی سویاں کا سن کر۔

"ہاں اماں کی جان، چل جا شاباش جلدی سے عید کی نماز پڑھ کے آ جا مسجد میں اعلان آٹھ بجے کا ہوا تھا اور آٹھ بجنے والے ہیں جا کہیں نماز کو دیر نہ ہو جائے۔"

"اچھا اماں!" پپو خوشی خوشی جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور ہاں میرے لعل، اللہ سے دعا مانگنا اپنے ابا کی تندرستی کے لئے اور اپنے گھر کے حالات کی بہتری کے لئے اپنی اور اپنے ملک کی بہتری کے لئے دل سے دعا مانگنا۔" زبیدہ نے ہدایت کی۔

''ٹھیک ہے اماں، اچھا ابا میں چلتا ہوں، اللہ نگہبان۔'' پپو نے باری باری ماں اور باپ دونوں کے چہروں کو دیکھا جہاں آج عید کے سبب مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔

''خدا حافظ بھیا! جلدی آنا مل کر سویاں کھائیں گے۔'' گڑیا جو سبز اور پیلے رنگ کے لان کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی پپو کو دیکھتے ہوئے خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے گڈی، خدا حافظ۔'' پپو اسے دیکھتا ہوا مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

''گڈی لے بیٹا یہ پلیٹیں ادھر اسٹول پر لگا دے، پپو نماز پڑھ کے آئے گا تو سویوں کا شور مچا دے گا۔'' زبیدہ نے گڑیا کو پلیٹیں دیتے ہوئے کہا۔

''جی اماں! ہائے اماں، یہ کیسی آواز ہے؟'' گڑیا نے دھماکے کی سی آواز پر سہم کر ماں کو دیکھا تھا۔

''یا اللہ خیر۔'' زبیدہ نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا، گڑیا دروازہ کھول کر باہر گلی میں جھانکنے لگی۔

''یہ تو دھماکے کی آواز تھی۔'' مجید احمد گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''دھماکہ۔'' زبیدہ ہراساں سے دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''ہاں زبیدہ کہیں یہ بم دھماکہ تو نہیں تھا کہیں مسجد میں تو بم دھماکہ نہیں ہو گیا۔'' مجید احمد کے بے جان وجود میں پپو کے خیال سے کرنٹ سا دوڑ گیا۔

''مسجد میں، مسجد میں تو میرا پپو عید کی نماز پڑھنے گیا تھا۔'' زبیدہ کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔

''پپو میرا بچہ۔'' مجید احمد چارپائی سے اترنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا، پپو کی فکر اس معذور باپ کو بے کل و بے قرار کر رہی تھی مگر وہ اپنی معذوری کے سبب پپو کے پیچھے بھی نہیں جا سکتا تھا۔

''اماں ابا گلی میں بہت شور ہو رہا ہے، وہ کرموں چاچا ہیں ناں بیکری والے وہ کہہ رہے ہیں کے پپو گھر آ رہا ہے۔'' گڑیا جو دروازے سے باہر جھانک کر آئی تھی ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بتانے لگی، اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

''پپو گھر آ رہا ہے، یا اللہ تیرا شکر ہے، میرا پپو گھر آ رہا ہے۔'' زبیدہ نے گڑیا کا بازو پکڑ کر دیوانہ سا مسکرا کر کہا اس پر تو جیسے شادی مرگ طاری تھی۔

''میں پپو کے لئے سویاں لاتی ہوں میرے بچے کو بھوک لگی ہو گی۔'' زبیدہ تیزی سے باورچی خانے کی طرف گئی اور میٹھی سویوں کا ڈونگہ اٹھا لائی جو اس نے بہت محبت سے پکائی تھیں۔

''اماں! محلے والے باتیں کر رہے تھے کے مسجد میں بم دھماکہ ہوا ہے بہت سارے نمازی شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔'' گڑیا نے پریشان اور سہمی ہوئی نظروں سے زبیدہ کو دیکھتے ہوئے بتایا تو زبیدہ کا تو جیسے دل دھڑکنا ہی بھول گیا، میٹھی سویوں سے بھرا ڈونگہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے زمین پر جا گرا اور میٹھی سویاں مٹی مٹی ہو گئیں تھیں، ان کو کھانے کے متمنی نے آنے میں دیر کر دی تھی شاید۔

''کیا؟''

''ہاں اماں۔'' گڑیا بے بسی اور دکھ سے زمین پر گری سویوں کو دیکھ رہی تھی، آنسو آپ ہی آپ بہنے لگے تھے اس کے، نجانے سویوں کے ضائع ہو جانے کھا نہ سکنے کا دکھ ہو رہا تھا اسے یا وہ بھی اماں اور ابا کی طرح پپو کے لئے پریشان تھی،

لیکن یہ بھی سچ تھا کے وہ پپو کے بنا میٹھی سویاں چکھتی بھی نہیں، اسے تو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر کھانے میں مزا آتا تھا، مگر آج ابھی تک اس کا بھائی نہیں آیا تھا۔

یکا یک دروازہ کھلا اور ان تینوں کے دل بند ہونے کو ہو گئے محلے کے تین آدمی ایک چارپائی لے کر اندر داخل ہوئے جس پر چودہ سالہ پپو خون میں لت پت بے جان لیٹا تھا۔

''پپو۔'' زبیدہ کی دل زور چیخ سے در و بام لرز اٹھے۔

''پپو میرا بچہ، ہائے میرا بچہ، میرا لعل نہیں مر سکتا، ابھی تو اس نے میٹھی سویاں بھی نہیں کھائیں تھی۔'' مجید احمد اپنی پوری قوت لگا کر اٹھنے کی کوشش میں چارپائی سے نیچے گرا۔

''بھیا اٹھو نا دیکھو اماں نے پستے باداموں والی میٹھی سویاں بنائی ہیں تمہارے لئے، اٹھو نا بھیا، اماں بھیا کو کیا ہوا ہے یہ اٹھتے کیوں نہیں، پپو بھیا بولتے کیوں نہیں؟'' گڑیا چارپائی کے سرہانے کھڑی روتے ہوئے پپو کے زخمی بازو کو ہلا رہی تھی، زبیدہ ساکت سی نظروں سے اپنے لاڈلے بیٹے کے خون آلود چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

اس کا معصوم اور خوبصورت چہرہ دہشت گردوں کی بے حسی اور موت کی سفاکی سے لتھڑا ہوا تا، میٹھی سویاں کھائے بنا ہی عید کا دن منہ موڑ گیا تھا، خوشی اور تہوار کا دن تھا، جیسے چند شرپسند دہشت گردوں کی اس بیہانہ حرکت نے آزردگی، دکھ اور آنسوؤں میں ڈبو دیا تھا، نجانے عید کے دن پھر کتنے گھروں کے چراغ گل ہو گئے تھے، کتنی سہاگنیں اجڑی تھیں، کتنے معصوم بچے یتیم ہوئے تھے، کتنی بہنوں کے بھائی اور بیٹیوں کے باپ اس بم دھماکے نے ان سے چھین لئے تھے، یہ خودکش بم دھماکہ تھا، دھماکہ کرنے والا تو نجانے کون سی جنت کے لالچ میں اپنی جان گنوانے آیا تھا، مگر جو نمازی عید کی نماز کے لئے صف باندھے کھڑے تھے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جنت میں پہنچ گئے تھے شہادت کا رتبہ پا گئے تھے، مگر وہ جو جانے والوں کے پیچھے رہ گئے تھے ان کی زندگیاں کتنی کٹھن اور تکلیف دہ بنا دی تھیں اس بم دھماکے نے یہ شاید ان کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

زبیدہ جیسی کتنی ہی مائیں تھیں جن کی گود اس دہشت گردی نے اجاڑ دی تھی، زبیدہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی، مجید احمد اپنے نوجوان بیٹے کی لاش سامنے دیکھ کر اپنے بال نوچ رہا تھا، اپنا سر پیٹ رہا تھا، گڑیا بلک بلک کر رو رہی تھی ان کی میٹھی سویوں والی عید پھیکی بلکہ کڑوی ہو گئی تھی ہمیشہ کے لئے۔

پپو، زبیدہ اور مجید احمد کا لاڈلا، بیٹا نوجوان کی دہلیز پر قدم رکھتا ان کا وارث ان کے گلشن کا پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گیا تھا، اس کی ناگہانی موت سے ان تینوں کا مستقبل بھی تاریک ہو گیا تھا، ان کا اکلوتا سہارا چھوٹ گیا تھا، ان کا تو دایاں بازو کٹ گیا تھا، امید کی لو بجھ کر ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

معذوری و مفلسی کے ننگے رقص کے بعد اب موت کا سوگ بھی ان کے کچے آنگن میں اترا آیا تھا، میٹھی عید میٹھی سویوں والی عید اسی کڑوی کیسلی حقیقت کے ساتھ نوحہ کناں تھی، زبیدہ اور مجید احمد کے پپو کی موت کے غم میں عید کی صبح بال کھولے گھر کی دیواروں سے سر پٹخ رہی تھی، رو رہی تھی، عید بھی ان کے دکھ میں، ان کے غم میں لہولہو تھی۔

☆☆☆